OPEN ACCESS
Al-Qamar
ISSN (Online): 2664-4398
ISSN (Print): 2664-438X
www.alqamarjournal.com

توحیدِ ربوبیت میں قرآن کا اسلوب بیان: ایک تجزیاتی مطالعہ

A Critical Study of the Quranic Rhetoric of *Tawheed al-Ruboobiyyah*

Dr. Hajira Mariam
Lecturer, Department of Islamic Studies, Lahore College for Women University, Lahore
Dr.Tahira Abdul Quddus
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Lahore College for Women University, Lahore
Dr. Zill-e-Huma
Assistant Professor, Department of Islamic Studies, Lahore College for Women University, Lahore

Abstract

The concept of *Tawheed*, or the oneness of Allah, is central to Islamic beliefs. Within Tawheed, *Tawheed Ruboobiyah* t specifically emphasizes Allah's role as the supreme master and sustainer of all creation. This article examines how the Quran employs various rhetorical devices and linguistic techniques to reinforce this belief in the Lordship of Allah. By utilizing different stylistic features such as metaphors, repetition, rhyme, and others, the Quran not only provides logical arguments for *Tawheed Ruboobiyah*, but also showcases the eloquence and literary artistry of the holy text. The combined use of rational proofs and aesthetic elements engages readers intellectually and emotionally, encouraging deep reflection on this profound theological concept. This article analyzes the key

CC BY

verses related to *Tawheed Ruboobiyah*, highlighting the effective use of language in conveying its meaning and significance. It demonstrates how the Quran's eloquence stems from both its substantive message and artistic expression, working in unison to firmly establish faith in the oneness and lordship of Allah.

Keywords: *Tawheed Ruboobiyah*, Quran, Rhetorical devices, Eloquence, Belief

تمہید

اللہ تعالیٰ نے انسانوں کی ہدایت کے لیے انبیاء کرام بھیجے اور ان پر کتابیں نازل کر کے بنی نوع انسان پر اتمامِ حجت کر دیا گیا۔ اللہ عزو جل نے ہر نبی کو اس کے مناسبِ حال اور اس کی قوم کی نفسیات کے مطابق کوئی نہ کوئی معجزہ دیا جو اس نبی کی دیلِ نبوت بھی تھی۔ نبی آخر الزمان حضرت محمد ﷺ پر نازل کیا جانے والا قرآن آپ ﷺ کی نبوت کی دلیل اور معجزہ ہے۔ قرآن مجید میں انسانی حیات کے متعلق تمام ہدایات موجود ہیں۔ افراد اور معاشروں کو عقائد و نظریات، معاملات اور اخلاقیات کے بارے میں مکمل رہنمائی کی گئی ہے۔ دینِ اسلام میں عقائد و ایمانیات کی حیثیت وہی ہے جو انسانی جسم میں روح کی ہے۔ روح کے بغیر بدن بے کار ہے، اسی طرح عقائدِ صحیحہ کے بغیر اعمال بے بنیاد ہیں۔ عقائد میں سر فہرست توحید ہے اور ہر نبی نے سب سے پہلے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی تعلیم دی۔ اسلامی شریعت کا سارا نظام توحید کے گرد گھومتا ہے۔ قرآن پاک میں بھی توحید اور اس کی اقسام کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے اور اس کا بنیادی مقصد ہر طرح کے شرک کی نفی کرنا ہے۔ لہذا توحید کی اہمیت کے پیشِ نظر اس مقالہ میں توحید کی پہلی قسم توحید ربوبیت اور اس کے مختلف پہلوؤں کو واضح کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں توحید ربوبیت کے بیان میں قرآن مجید نے جو مختلف اسالیب بیان کیے ہیں، ان کو بھی اس میں نمایاں کیا گیا ہے۔

توحید ربوبیت کا مفہوم

اہلِ علم نے عقید توحید کو تین اقسام میں منقسم کیا ہے اور وہ توحید ربوبیت، توحید الوہیت اور توحید اسماء وصفات ہیں۔ توحید کی یہ اقسام ایک دوسرے سے مربوط ہیں اور ان میں سے کسی ایک کے انکار کرنے سے کفر و شرک لازم آتا ہے۔ عربی میں ربوبیت کے معنی پالنے کے ہیں۔ اس لیے بعض آئمہ لغت نے اس کی تعریف ان لفظوں میں کی ہے۔ **هوانشاء الشئ حالا فحالا الی حدالتمام** یعنی کسی چیز کو یکے بعد دیگرے، اس کی مختلف حالتوں اور ضرورتوں کے مطابق اس طرح نشوونما دیتے رہنا کہ اپنی حدِ کمال تک پہنچ جائے۔۔۔ جس طرح اس (اللہ) کی خالقیت نے کائناتِ ہستی اور اس کی ہر چیز پیدا کی ہے، اس طرح اس کی ربوبیت نے ہر مخلوق کی پرورش کا سامان بھی کر دیا ہے اور پرورش کا سروسامان ایک ایسے عجیب وغریب نظام کے ساتھ ہے کہ ہر وجود کو زندگی اور بقا کے لیے جو کچھ مطلوب تھا، وہ سب کچھ مل رہا ہے اور اس طرح مل رہا ہے کہ ہر حالت کی رعایت ہے، ہر ضرورت کا لحاظ ہے، ہر چیز کی نگرانی ہے اور ہر کمی بیشی ضبط میں آچکی ہے[1]۔ القول السدید شرح کتاب التوحید میں توحید ربوبیت کی تعریف ان الفاظ میں بیان کی گئی ہے۔ **بان یعتقد العبد ان الله هوالرب المتفرد بالخلق والرزق والتدبیر الذی ربی جمیع الخلق بالنعم**[2] (یہ عقیدہ رکھنا کہ اللہ تعالیٰ اکیلا ہی تمام مخلوقات کا رب ہے، جو ان کو رزق عطا کرتا ہے، تدبیر

امور کرتا ہے اور جو ہر مخلوق کو اپنی نعمتوں سے نوازتا ہے اور اس کی پرورش کرتا ہے۔)

قرآن مجید میں توحید ربوبیت کے عقیدے کو جگہ جگہ واضح کیا گیا ہے۔اس عقیدے کے کئی نمایاں پہلو ہیں جن میں سے چند کا ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

ا۔ربوبیت الٰہیہ

ربوبیت الٰہیہ دراصل عقیدۂ توحید کا بنیادی محور ہے جس کی رو سے بندہ یہ یقین رکھتا ہے کہ اس کائنات کا صرف ایک ہی خالق، مالک، رب، رازق، منعم، مدبر اور متصرف ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ان صفات میں کوئی دوسرا اس کا شریک و سہیم نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ بھی حقیقت ہے کہ دنیا کی تمام مشرک اقوام میں ربوبیت الٰہیہ کا تصور مشترکہ طور پر پایا جاتا ہے۔اس حوالے سے ان کے درمیان کوئی اختلاف رونما نہیں ہوا۔ سارا اختلاف توحید الوہیت کے ضمن میں واقع ہوا ہے۔ توحید ربوبیت کے ضمن میں قرآن نے اس حقیقت کو آشکار کیا ہے کہ اس کائنات میں صرف ایک ہی رب ہے کوئی دوسرا رب ہونے کا حق دار نہیں۔ اس توحید ربوبیت کو تمام اقسام کے شرکیہ تصورات سے پاک، مطہر اور منزہ ٹھہرایا گیا ہے۔یہی حقیقت سورۃ الصافات میں مذکور ہے۔**رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا وَ رَبُّ الْمَشَارِقِ**[3](وہ آسمانوں کا، زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، سب کا رب ہے اور سارے مشرقوں کا رب ہے۔)اس آیت کا سیاقِ کلام یہ ہے کہ اس سے پہلے فرشتوں کو گواہ بنا کر توحید الوہیت کو ثابت کیا ہے۔ پھر توحید ربوبیت کا ذکر کیا گیا کہ آسمان، زمین بلکہ پوری کائنات کا رب صرف وہی ہے جو مشرق و مغرب کا بھی رب ہے۔اس کے سوا کوئی اور رب نہیں۔ اس طرح پہلے توحید الوہیت اور پھر توحید ربوبیت کے ذریعے شرک کی تمام اقسام کی تردید کی گئی ہے۔ فتح القدیر میں اس آیت کے ضمن میں مذکور ہے۔"**ان وجود هذه المخلوقات على هذا الشكل البديع من اوضح الدلائل على وجود الصانع و قدرته، وانه رب ذلك كله، اى: خالقه ومالكه**"[4](تمام مخلوقات کا ایک نادر اور عجیب و غریب شکل میں وجود ہونا ان کے بنانے والے صانع کے وجود اور اس کی قدرت کا بین ثبوت ہے۔ جو سب کا رب، خالق اور مالک ہے۔)لہٰذا واضح کر دیا گیا کہ اللہ صانع حقیقی ہے۔اس کے پاس کامل اقتدار ہے جو اس کے شرف و کمال کو ظاہر کرتا ہے۔ کائنات کو چلانے کا بے عیب نظام اس کے رب ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ اس آیت میں حکمت بھی یہی ہے کہ مشرکین نے آسمانوں کی جن چیزوں کو رب کا درجہ دے رکھا تھا اور زمین پر جن اصنام کی وہ پوجا کرتے تھے اور ان کو رب کا مقام عطا کر دیا تھا، **تو اخباری اسلوب** کے ذریعے ان تمام مشرکانہ تصورات کی یک قلم نفی ہو گئی۔

سورۃ ص میں فرمایا گیا۔**رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ مَا بَيْنَهُمَا الْعَزِيْزُ الْغَفَّار**[5](وہی آسمانوں کا، زمین کا اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے، سب کا رب ہے، وہی غالب اور بار بار بخشنے والا ہے۔)اس آیت میں اللہ کی دیگر صفات کا ذکر کر کے اس بات کو نمایاں کیا گیا ہے کہ اللہ ہی واحد وہ ذات ہے جو ان صفات سے متصف ہے۔ گویا اس میں مومنین کے لیے **ترغیب** اور کفار کے لیے **ترہیب** پائی جاتی ہے۔ ان صفات کو بیان کرنے کا اصل مدعا و منشا توحید ہی ہے۔ اسی نکتے کی طرف مفسر ابو السعود نے بھی اشارہ کیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔"**وفى هذه النعوت من تقدير التوحيد والوعد للموحدين والوعيد للمشركين**"[6](عقیدۂ توحید کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کی ان صفات میں اہل توحید کے لیے خوشخبری اور مشرکین کے لیے عذاب کی وعید ہے۔)اس میں حکمت کا یہ پہلو مضمر ہے کہ توحید ربوبیت اور توحید الوہیت دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ جو رب ہے وہی اللہ ہو سکتا ہے اور اللہ وہی ہے جو رب ہے۔ ظاہر ہے اس سے ہر قسم کے شرک کا تصور باطل ٹھہرتا ہے۔ اللہ کی ربوبیت کو سورۃ دخان اور

سورۃ الشعراء میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ سورۃ دخان میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔"**رَبِّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِن كُنتُم مُّوقِنِينَ**"[7] (وہ آسمانوں کا، زمین کا اور جو کچھ ان دونوں کے درمیان ہے سب کا رب ہے۔ اگر تم یقین کرنے والے ہو۔) سورۃ الشعراء میں فرمایا گیا۔"**قَالَ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا إِن كُنتُم مُّوقِنِينَ**"[8] (اس (موسیٰؑ) نے کہا: وہی جو آسمانوں کا، زمین کا اور جو کچھ ان کے درمیان ہے، سب کا رب ہے۔ اگر تم یقین کرنے والے ہو۔) ان آیات کے بارے میں قاری کو یہ اشتباہ ہو سکتا ہے کہ یہ محض تکرار ہے لیکن در حقیقت یہ دونوں آیات مختلف سیاق وسباق یہ ہے کہ ایک دوسرے سے بالکل منفرد ہیں۔ سورۃ دخان کی آیت کا سیاق وسباق یہ ہے کہ اس سے پہلے نزول قرآن کا ذکر آیا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے بندوں کے لیے رحمت قرار دیا گیا ہے۔ پھر فرمایا گیا ہے کہ جس ہستی نے قرآن نازل کیا ہے تا کہ لوگوں کو ہدایت حاصل ہو صرف وہی یہ حق رکھتا ہے کہ آسمانوں اور زمین میں صرف اسی کی ربوبیت کار فرما ہو۔ پھر جب ایک اللہ کے لیے ربوبیت ثابت ہوتی ہے تو لازمی ہے کہ عبادت اور الوہیت بھی صرف ایک ہی کے ساتھ مخصوص ہو۔ اللہ کی ذات وہ ہے جو بے پایاں قدرت کی مالک ہے۔ اس کے مقابل میں کسی اور کو کچھ قدرت حاصل نہیں۔ لہٰذا یہ جائز نہیں ہے کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرایا جائے۔ اس میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت پر یقین کرنا انسان کی فطرت میں داخل ہے۔ عہد الست سے اس نے اس کا اقرار کر رکھا ہے۔ اسی کی یاد دہانی کے لیے فرمایا گیا ہے کہ دنیا میں سب سے یقینی بات یہی ہے کہ اللہ موجود ہے اور وہی معبود ہے۔

سورۃ الشعراء کی آیت کا سیاقِ کلام یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ کو پیغمبر بنایا تو ان کو حکم دیا کہ جا کر فرعون کو توحید کی دعوت دو۔ چنانچہ جب انہوں نے فرعون کو توحید ربوبیت کا درس دیا تو اس نے اس کا انکار کر دیا۔ اور اس نے بطور تحکم اور استھزا رب العالمین کے بارے استفسار کیا۔ اس کے جواب میں موسیٰؑ نے **اسلوب محاورہ** میں فرمایا کہ آسمانوں، زمین اور ہر جگہ کا ہمہ وقت رب صرف ایک اللہ ہے۔ اس کے سوا کسی اور کو ربوبیت کا مقام حاصل نہیں ہو سکتا۔ پھر اس آیت میں حکمت یہ ہے کہ جو فرعون زمین پر اپنے رب ہونے کا دعویٰ رکھتا تھا اسے یہ کہا گیا ہے کہ نہ صرف زمین بلکہ آسمانوں اور پوری کائنات کا ایک ہی رب ہے اور خود فرعون کا بھی وہی اکیلا رب ہے۔ فرعون کی اختراعی خدائی کا بھرپور رد کیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ فرعون کو توحید کی دعوت بھی دی گئی ہے کہ اگر وہ نظامِ کائنات پر غور کرے تو وہ بھی اس بات کا قائل ہو جائے گا کہ اس میں صرف اور صرف رب العزت کی ربوبیت کار فرما ہے۔ کائنات کے مظاہر و آثار از خود گواہی دیتے ہیں کہ ان کا ایک ہی صانع اور پروردگار ہے۔

۲۔ خالق موجودات

دنیا میں مختلف قسم کی مخلوقات پائی جاتی ہیں۔ اس سے یہ امر بدیہی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ ان سب کا کوئی خالق موجود ہے کیونکہ خالق کے بغیر مخلوق کا تصور ناممکن ہے۔ پھر جب تمام موجودات مخلوق ہیں تو ان کے لیے ایک ہی خالق کا وجود ناگزیر ہے۔ توحید ربوبیت کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی تمام موجوداتِ کائنات کا خالق ہے۔ عقیدہ توحید کے ضمن میں اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کی صفت کو بھی قرآن مجید میں کئی جگہوں پر بیان کیا گیا ہے۔ سورۃ الانعام میں ہے:"**ذَٰلِكُمُ اللَّهُ رَبُّكُمْ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوهُ**"[9] (وہی اللہ تمہارا رب ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ وہ ہر چیز کا خالق ہے۔ پس تم اسی کی عبادت کرو۔) اس آیت کا سیاق کلام یہ ہے کہ مشرکین عرب ملائکہ کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیتے اور ان کی پوجا کرتے تھے۔ فرمایا اس کے ہاں اولاد کیسے ہو گی جب کہ اس کی کوئی بیوی نہیں ہے۔ پر ارشاد ہوا کہ اللہ تعالیٰ کو اولاد کی کیا حاجت

ہے۔ جب کہ وہ ہر شے کو وجود بخشنے والا، سب کا خالق ورب اور بے نیاز و مستغنی ہے۔ اس آیت میں حکمت یہ ہے کہ جب خالق سب کا ایک ہے تو معبود بھی سب کا ایک ہونا چاہیے۔ اللہ سبحانہ کی صفت ربوبیت اور صفت خالقیت اس بات کی متقاضی ہے کہ مخلوق اپنے خالق کو عبادت میں منفرد اور یکتا جانے۔ مشرکین کے من گھڑت معبود جو ان صفات سے عاری ہیں، وہ عبودیت میں کیسے حصہ دار بن سکتے ہیں۔ اس لیے غیر اللہ کی عبادت خواہ وہ کسی بھی طریقے سے کی جائے، درست نہیں ہو سکتی۔ ایسا کرنا شرک ہے جس کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ دوسری حکمت اس میں یہ بھی پنہاں ہے کہ مشرکین جو اللہ کی طرف اولاد کی نسبت کرتے تھے تو دلیل سے ان کے اس باطل عقیدے کی نفی کر دی گئی۔ اللہ تعالیٰ کی صفتِ خالقیت کا ذکر سورۃ غافر میں بھی تصریف کے **تاکیدی اسلوب** میں آیا ہے۔ رب العزت فرماتے ہیں۔"**ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ**"[10] (وہی اللہ تمہارا رب ہے۔ وہ ہر شے کا خالق ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔) اس آیت کا سیاق وسباق یہ ہے کہ اس سے ماقبل مشرکین کو آخرت کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ پھر رات اور دن کی قدرت کی نشانی کا ذکر کیا گیا اور اسے ایک نعمت قرار دے کر اس کا شکر ادا کرنے کی تلقین کی گئی۔ پھر فرمایا گیا کہ جب تم مانتے ہو کہ دن رات کا پیدا کرنے والا اور نعمتیں دینے والا ایک ہی خالق ہے تو پھر اس کے ساتھ شریک ٹھہرا کر کسی کی عبادت کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ اس آیت میں حکمت یہ ہے کہ دنیا کی تمام چیزیں انسان کی خدمت اور استفادے کے لیے پیدا کی گئی ہیں اور انسان کو صرف اپنی عبادت کی خاطر تخلیق کیا ہے۔ اس لیے کسی قسم کی شرک کا کوئی جواز نہیں ہے۔

سورۃ الانعام اور سورۃ غافر کی مذکورہ بالا آیات میں الفاظ کی **تقدیم و تاخیر** پائی جاتی ہے۔ سورۃ الانعام میں **لا الہ الا ھو خالق کل شیء** کے الفاظ ہیں تو سورۃ غافر میں یہ ترتیب اس کے برعکس ہے اور وہاں **خالق کل شیء لا الہ الا ھو** کے الفاظ ہیں۔ اس کی علت خطیب اسکافی نے اپنی کتاب، درۃ التنزیل وہ غرۃ التاویل، میں یوں قلمبند کی ہے۔"**لان ما فی ھذہ السورۃ جاء بعد قولہ تعالیٰ: وجعلوا اللہ شرکاء الجز وخلقکم وخرقولہ بنین و بنات علم، الانعام:۱۰۰، فلما قال: ذلکم اللہ ربکم، اتی بعدہ بما یدفع قول من جعل للہ شریکا، فقال: لا الہ الا ھو، ثم قال:خالق کل شیء وفی سورۃ المومن جاء ھذا بعد قولہ تعالیٰ:لخلق السموات والارض اکبر من خلق الناس ولکن اکثر الناس لا یعلمون، غافر:۵۷ فکان الکلام علی تثبیت خلق الانسان، لا علی نفی الشریک عنہ ھنا، کما کان فی الآیۃ الاولی فکان تقدیم خالق کل شیء ھاھنا اولی، واللہ اعلم.**"[11] ((کیونکہ اس سے پہلے یہ مضمون تھا کہ **وجعلو اللہ شرکاء الجن وخلقکم وخرقولہ بنین و بنات علم**، (اور انہوں نے جنات کو بھی اللہ کا شریک بنالیا حالانکہ ان کو بھی اللہ نے پیدا کیا۔ انہوں نے بغیر جانے بوجھے اللہ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں بنالی ہیں) پھر جب یہ فرمایا کہ **ذلکم اللہ ربکم** تو اس کے بعد مشرکین کے مذکورہ قول کی نفی کے لیے پہلے **لا الہ الا ھو** فرمایا اور پھر **خالق کل شیء**۔ لیکن سورۃ المومن میں پہلے یہ آیت آئی تھی کہ:**لخلق السموات والارض اکبر من خلق الناس ولکن اکثر الناس یا یعلمون(۵۷)** چونکہ اس میں انسانی تخلیق کا ذکر تھا اور شرک کی نفی مقصود نہ تھی اس لیے پہلے اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے اور پھر اللہ ہونے کا ذکر ہے۔ اور اللہ بہتر جانتا ہے۔) اللہ تعالیٰ کے خالقِ کل ہونے کے مضمون کو سورۃ الرعد میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔"**قُلِ اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَّهُوَ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ**"[12] (کہہ دیجئے اللہ ہر شے کا خالق ہے اور وہ اکیلا زبردست ہے۔) اس آیت میں **تقابل** کے اسلوب میں سوال کر کے مشرکین کو جھنجھوڑا گیا ہے کہ وہ عقیدہ توحید کو صحیح معنوں میں اختیار

کرنے میں متنفر کیوں ہیں۔ یہ آیت اس سیاق وسباق کے ساتھ آئی ہے کہ جن مشرکین نے اللہ تعالیٰ کی مخلوقات کو خدائی کا درجہ دے کر ان کی پوجا شروع کر دی تو ان کو مدلل انداز میں خبردار کیا گیا کہ جو مخلوق شے ہو تو وہ معبود کیسے ہو سکتی ہے؟ معبود ہونے کے لیے ضروری ہے کہ وہ خالق کل بھی ہو۔ اس آیت میں توحید کی حقیقی دعوت دی گئی ہے۔ اس میں حکمت بھی یہی پوشیدہ ہے کہ جب تمام اشیا مخلوق ہیں تو ان کا خالق صرف اور صرف ایک ہو سکتا ہے جو غالب اور زبردست ہو۔ پھر ایک مخلوق کسی دوسری مخلوق کی معبود نہیں ہو سکتی کیونکہ وہ ایک اعتبار سے مساوی حیثیت رکھتی ہے۔ لامحالہ ماننا پڑے گا کہ مخلوق کا معبود صرف خالق ہی ہو سکتا ہے جو اکیلا اور یکتا ہے۔ چونکہ اکیلا اللہ ہی سب کا خالق ہے، اس لیے صرف وہی سب کا معبود ہو سکتا ہے۔

سورۃ الزمر میں بھی اللہ کی صفتِ خالقیت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔ **"اَللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَیْءٍ وَ هُوَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ وَّكِیْلٌ"**[13] (اللہ ہر شے کا خالق ہے اور وہ ہر چیز کا نگران ہے۔) اس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ کے خالق ہونے کا ذکر ہے۔ بظاہر یہ بھی تکرار نظر آتا ہے لیکن یہ قرآن کا اعجازی پہلو ہے کہ ایک ہی مضمون کو مختلف زاویوں سے سمجھایا جاتا ہے جیسے کہ اس آیت میں بھی مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔ اس میں کفار کو مخاطب کیا گیا ہے کہ جب تم مانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز کا خالق ہے اور پھر نگران ہے تو پھر شرک اور بت پرستی کے جواز کے لیے دلیل کہاں سے نکل آئی۔ عقلی اور منطقی اعتبار سے تمہارا شرک بلاجواز اور بے دلیل ہے۔ کیونکہ دنیا میں کوئی مخلوق بھی اپنے بارے میں خالق ہونے کی مدعی نہیں۔ اس کے علاوہ آیت میں یہ حکمت بھی مضمر ہے کہ اس میں ان لوگوں کے فاسد عقائد کا رد بھی کیا گیا جو اللہ کو خالق مانتے ہیں لیکن اس کے نگران و نگہبان ہونے کی نفی کرتے ہیں۔ واضح کر دیا گیا کہ اللہ اپنی مخلوق سے غافل نہیں۔ کائنات کی ہر چیز اس کے ماتحت ہے اور وہ پوری طرح سے تصرف رکھتا ہے لہٰذا غلام مخلوق پر لازم ہے کہ وہ اپنے آقا و مالک اور خالق ہی کو معبود سمجھ کر اس کی عبادت کرے اور شرک فی العبادت کا ارتکاب نہ کرے۔

۳۔ خیر الرازقین

توحید ربوبیت کا ایک اہم پہلو اللہ تعالیٰ کی رزاقیت بھی ہے۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کے رزاق ہونے کو کئی مقامات پر بیان کیا گیا ہے جس سے توحید ربوبیت کا کامل تصور نگاہوں کے سامنے پھر جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفتِ رزاقیت کا ذکر سورۃ الجمعہ میں **اسلوب ترغیب** میں بیان ہوا ہے۔ **"قُلْ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ مِّنَ اللَّهْوِ وَمِنَ التِّجَارَةِ وَاللّٰهُ خَیْرُ الرّٰزِقِیْنَ"**[14] (آپ ان سے کہہ دیجیے! جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ اس تماشے اور تجارت سے بہتر ہے اور اللہ ہی سب سے بہتر روزی رساں ہے۔) اس آیت کا شان نزول یہ ہے کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ مدینے میں جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے تھے۔ اسی دوران باہر سے نقارہ بجنے کی آواز آئی جو اس امر کی علامت تھی کہ کوئی تجارتی قافلہ آیا ہے جو غلہ بیچنا چاہتا ہے۔ یہ وہ عالم تھا جب مدینہ شہر میں غذائی اجناس کی قلت تھی۔ لوگوں کو بھوک اور قحط کا سامنا تھا۔ لہٰذا مسجد کے نمازی اناج حاصل کرنے کے لیے جمعہ کا خطبہ چھوڑ کر تجارتی قافلے کی طرف چلے گئے۔ روایات کے مطابق صرف آٹھ یا گیارہ لوگ نبی کریم ﷺ کے پاس رہ گئے تھے۔ اس طرح غلہ لینے کو ذکر الٰہی پر ترجیح دے دی گئی۔ اس پر اللہ نے فرمایا کہ وہی بہترین رزق دینے والا ہے۔ اس آیت میں اللہ کی صفتِ رزاقیت کو نمایاں کرتے ہوئے لوگوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ ان کا ذکر الٰہی کو چھوڑ کر تجارتی قافلے کی طرف جانا غلط فعل تھا۔ اس میں حکمت یہ ہے کہ انسانوں کو یہ باور کرایا گیا ہے کہ وہ اسباب کی بجائے مسبب الاسباب کی طرف رجوع کریں۔ کیونکہ حقیقی رازق اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ تفسیر طبری میں بھی اس پہلو کو اجاگر کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔ **"واللہ خیر رازقین، فالیہ فارغبوا فی**

طلب ارزاقکم، وایاہ فاسالوا ان یوسع علیکم من فضلہ دون غیرہ"[15](اور اللہ بہترین رازق ہے۔ تم روزی کی تلاش کے لیے اسی کی طرف رغبت ورجوع کرو۔ صرف اللہ تعالیٰ ہی سے رزق کی کشادگی مانگو اور غیر اللہ سے روزی طلب نہ کرو۔)اس کے علاوہ آیت میں یہ حکمت بھی مستتر ہے کہ جہاں دین اور دنیا کا تصادم ہو جائے وہاں ایمان کا تقاضا یہ ہے کہ اس موقع پر دین کو دنیا پر ترجیح دی جائے گی۔ اسلام میں طلب رزق اور کسبِ معاش کی ممانعت نہیں ہے لیکن انسان کو اعتدال کی روش اختیار کرنی چاہیے۔ بندے کا اصل مقصد حیات اللہ تعالیٰ کی اطاعت وعبادت کے ذریعے اس کی رضا اور خوشنودی کا حصول ہے اور اسی کے صلے میں اللہ اسے دنیا وآخرت کے انعامات اور رزق سے نوازے گا۔ علاوہ ازیں آیت سے توحید بھی ثابت ہوتی ہے اللہ رازق وہ ذات ہے جو قوت والی اور مستغنی ہے۔ اس کے برعکس مخلوق عاجز، کمزور اور اس کے آگے دستِ نگر ہے۔ یہ بات سب پر عیاں ہے کہ جو شے اپنے وجود کی بقاء کے لیے دوسروں کی محتاج ہو تو وہ کیسے رب ہو سکتا ہے۔ گویا آیت میں بھرپور انداز میں شرک کے تمام دروازوں کو بند کر دیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے رازق ہونے کا ذکر سورۃ سبا میں بھی آیا ہے۔ فرمانِ الٰہی ہے:"**قُلْ اِنَّ رَبِّي يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَن يَشَاء مِنْ عِبَادِهِ وَيَقْدِرُ لَهُ وَمَآ اَنفَقْتُم مِّن شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهُ وَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِيْنَ**"[16](کہہ دیجئے، بے شک میرا رب اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے زیادہ روزی دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے کم دیتا ہے۔ تم جو کچھ اللہ کی راہ میں خرچ کرو گے تو تمہیں اس کا بدلہ ملے گا اور وہ بہترین رازق ہے۔)اس مقام پر اللہ سبحانہٗ کے بہترین روزی رساں ہونے کا تذکرہ ایک جانب **وعید کے اسلوب** میں مشرکین کے اس خیال کی تردید کر رہا ہے جن کو اپنے مال و دولت پر ناز تھا۔ دراصل اس میں کفار و مشرکین کے مرض کی تشخیص کر دی گئی ہے جو اپنی دنیا پرستی کی خاطر دین اسلام کی دعوت کو جھٹلا رہے تھے۔ آیت میں اس حقیقت کو واشگاف انداز میں بیان کرتے ہوئے بتایا گیا کہ جہاں تک رزق کا معاملہ ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ مشرکین دنیا کی مال و دولت کے عوض اپنی عاقبت تباہ وبرباد نہ کریں بلکہ ایمان لا کر دنیا اور آخرت کی فلاح حاصل کرلیں۔ دوسری جانب اس میں اہل ایمان کو **ترغیب** دیتے ہوئے بشارت دی گئی ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ساتھ اس پر توکل کریں گے تو وہ ان کو دنیا وآخرت میں رزق کی فراوانی عطا فرمائے گا۔ اس آیت میں حکمت کے کئی پہلو مضمر ہیں جن کی طرف مفسرین کرام نے توجہ مبذول کروائی ہے۔ ایک حکمت یہ ہے روزی کا اختیار اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ لہٰذا بندے پر لازم ہے کہ وہ روزی کے معاملے میں اپنے رب پر توکل کرے۔ اپنی سعی و کوشش کے بعد نتیجہ اللہ سبحانہ کے سپرد کرے جیسا کہ تفسیر السعدی میں ہے۔"**وھو خیرالرازقین فاطلبوا الرزق منہ، واسعوا فی الاسباب التی امرکم بھا**"[17](وہی **خیر الرازقین** ہے۔ اسی سے رزق طلب کرو۔ ان اسباب رزق کے حصول کی کوشش کرو جن کو اختیار کرنے کو اس نے تمہیں حکم دیا ہے۔)مزید برآں اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ انسان ہوس زر کا شکار نہ ہو، قناعت پسندی اختیار کرلے اور توکل علی اللہ کے بعد مطمئن زندگی بسر کرے۔ تیسری حکمت کی طرف د، وھبہ زحیلی نے اشارہ کرتے ہوئے تحریر کیا ہے۔"**وفی ھذا تزھید فی الدنیا و ترغیب فی الانفاق فی الخیر**"[18](اس میں دنیا سے زہد و بے رغبتی اور بھلائی کے کاموں میں انفاق کی ترغیب پائی جاتی ہے۔) گویا اس میں انسان کو ترغیب دلائی گئی ہے کہ اسے انفاق فی سبیل اللہ سے دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ وہ جو اللہ کی راہ میں خرچ کرے گا، اسے ہر حال میں اس کا بہتر بدلہ ملے گا۔

سورۃ الحج میں بھی اللہ عزوجل کے روزی رساں ہونے کو **اسلوب ترغیب** میں بیان کیا گیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے۔"**وَالَّذِينَ**

هَاجَرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ ثُمَّ قُتِلُوا أَوْ مَاتُوا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللَّهُ رِزْقًا حَسَنًا ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ خَيْرُ الرَّازِقِينَ"[19] (اور جن لوگوں نے راہ خدا میں ہجرت کی اور پھر قتل ہو گئے یا انہیں موت آ گئی تو یقیناً اللہ انہیں بہترین رزق عطا کرے گا۔ بے شک اللہ ہی بہترین رازق ہے۔) اس آیت کا پس منظر یہ ہے کہ ہجرت کے بعد مدینہ دارالسلام بن گیا تھا جس کی طرف ہجرت کرنا ہر مسلمان پر فرض تھا۔ ہجرت کرنا کوئی سہل امر نہیں ہے کیونکہ انسان کو خوراک، اپنے ٹھکانے اور دشمن سے متعلق کئی اندیشے اور خطرات لاحق ہوتے ہیں۔ اس موقع پر اللہ عزوجل نے ہجرت کرنے والوں کو تسلی اور ہجرت کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا کہ جو دین کی خاطر ہجرت کرے گا، اسے دنیا میں اچھا ٹھکانا اور بہترین رزق مہیا کیا جائے گا۔ یہ سلسلہ صرف دنیا تک محدود نہیں بلکہ آخرت میں بھی جنت کی ابدی نعمتوں سے نوازا جائے گا۔ گویا اس میں یہ حکمت ظاہر ہے کہ انسان اللہ کی راہ میں ہجرت کرے، دنیاوی عیش و عشرت کی قربانی دے تو اللہ کی ذات اس کی قربانی کی قدردانی کرتے ہوئے اسے دارین میں بہترین رزق عطا فرمائیں گے۔ لہٰذا انسان کو دین کی خاطر قربانی دیتے ہوئے تردد و تذبذب کا شکار نہیں ہونا چاہیے بلکہ اللہ کے وعدوں پر پختہ یقین ہونا چاہیے۔ سورۃ الذاریات میں بھی اللہ تعالیٰ کی صفت رزاقیت کو **اسلوب تاکید** میں بیان کیا گیا ہے۔"**اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ**"[20] (بے شک اللہ ہی بڑا رازق، قوت والا اور زور آور ہے۔) اس آیت کی ربط و مناسبت ماقبل مضمون سے یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جنات و انسانوں کو اپنی عبادت کا حکم دیا ہے۔ تاکہ وہ اپنے آپ کو اس کے لیے فارغ رکھ کر پوری یکسوئی سے رب العزت کی عبادت کریں اور اس کام کو دوسرے تمام کاموں پر ترجیح دیں۔ باری تعالیٰ کو یہ بات قطعاً پسند نہیں کہ اس کے بندے ہمہ وقت فکرِ معاش میں رہیں اور عبادت الٰہی سے غافل رہیں۔ اس موقع پر اللہ سبحانہ نے اپنے بندوں کی طمانیت کے لیے فرمایا کہ وہ اپنے آپ کو عبادت کے لیے زیادہ زیادہ فارغ رکھیں۔ دنیاوی کاموں کو دینی امور پر ترجیح نہ دیں کیونکہ جہاں تک رزق کا معاملہ ہے تو وہ اللہ کی ذات دینے والی ہے۔ انسان کا فرض ہے کہ وہ بندگی کا حق ادا کرے۔ اس آیت میں حکمت بھی یہی کارفرما ہے کہ انسان اپنے نصب العین کو دنیاوی مال و دولت کے لیے فراموش نہ کرے بلکہ اللہ کی عظمت و جلال کو پہچانتے ہوئے اس کی عبادت کرے۔ اس بات پر جازم یقین اور قول و فعل سے برملا اظہار کرے کہ روزی دینے والی قوت صرف ایک اللہ کی ہے۔ انسان ان حقائق پر غور و تدبر کرے تو یہ امور اسے شرک سے نجات دلا سکتے ہیں۔

مذکورہ آیات میں پہلے اخباری اسلوب میں بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ بہترین روزی رساں ہے۔ پھر اگلی آیت میں تاکید کے اسلوب میں اسی مضمون کو دہرایا گیا اور آخر میں الرازق، مبالغہ کے صیغے کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے زیادہ رازق ہونے کا ذکر کیا گیا۔ اس طرح جو مضمون بظاہر تکرار محسوس ہوتا ہے وہ حقیقت میں تکرار نہیں ہے بلکہ تنوع کا اسلوب ہے۔ ہر مقام پر مخاطبین کو باندازِ جدید نو بہ نو تازہ ولولے کے ساتھ اور نئے زاویۂ نگاہ سے خطاب کیا گیا ہے۔

۴۔ مدبر کائنات

جب ایک انسان اس وسیع کائنات کو نظر غائر سے دیکھتا اور اس پر غور و فکر کرتا ہے تو اسے اس کا جلال مرعوب کرتا ہے اور اس کا جمال اس میں محویت و استغراق پیدا کر دیتا ہے۔ آسمان پر روشن آفتاب، چاند کی چاندنی، چمکتے ہوئے ستارے، ان کی حرکت و گردش میں ترتیب اور نظم و ضبط انسان کو ورطہ حیرت میں ڈال دیتا ہے۔ زمین پر فلک بوس پہاڑ، وسیع سمندر، بہتے ہوئے دریا اور گرتی ہوئی آبشاریں، چٹیل صحرا اور خوبصورت وادیاں، قسم قسم کے پھل پھول، درخت، حیوانات اور انسانوں کی آبادیاں یہ سب کچھ بغیر کسی مدبر کائنات کے وجود میں نہیں آ سکتا۔ چونکہ اللہ تعالیٰ ہی پوری کائنات بلکہ ہر شے کا خالق و مالک ہے، اس لیے

مدبر کائنات اور متصرف فی الامور بھی وہی ہے۔ اس کے حکم سے یہ نظامِ کائنات چل رہا ہے اور یہ بھی توحید ربوبیت کے ذیل میں آتا ہے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کے مدبر کائنات ہونے کا ذکر کئی مقامات پر آیا ہے۔ سورۃ یونس میں ہے کہ "**إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يُدَبِّرُ الْأَمْرَ... أَفَلَا تَذَكَّرُونَ**"[21] (بے شک تمہارا رب اللہ ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو چھ (٦) دنوں میں پیدا کیا۔ پھر وہ عرش پر قائم ہوا۔ وہی تو ہیر امور کرتا ہے۔۔۔ کیا تم سمجھتے نہیں۔) یہی مضمون اخباری اسلوب میں سورۃ الرعد میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ ارشاد الٰہی ہے۔ "**اللَّهُ الَّذِی رَفَعَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلٌّ يَجْرِی لِأَجَلٍ مُّسَمًّى يُدَبِّرُ الْأَمْرَ يُفَصِّلُ الآيَاتِ لَعَلَّكُم بِلِقَاء رَبِّكُمْ تُوقِنُونَ**"[22] (وہی اللہ ہے جس نے آسمانوں کو بلند کیا بغیر ایسے ستونوں کے جو تمہیں نظر آئیں، پھر وہ عرش پر قائم ہو۔ اسی نے سورج اور چاند کو مسخر کیا۔ وہ ایک مقررہ مدت کے لیے حرکت کر رہے ہیں۔ اللہ کائنات کا نظام چلا رہا ہے۔ وہ اپنی نشانیاں کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ تم اپنے رب سے ملنے کا یقین کرو۔) سورۃ السجدہ میں بھی اللہ کے مدبر کائنات ہونے کو اسلوب تعجبی میں ان الفاظ کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ فرمان الٰہی ہے۔ "**يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَاءِ إِلَى الْأَرْضِ ثُمَّ يَعْرُجُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهُ أَلف سَنَةٍ مِّمَّا تَعُدُّونَ**"[23] (وہی (اللہ) آسمان سے زمین تک تمام معاملات کی تدبیر کرتا ہے۔ تمام معاملات اس کے پاس جاتے ہیں تاکہ وہ فیصلہ کرے اس دن جس کی مقدار تمہارے حساب سے ایک ہزار سال ہے۔)

ان تینوں آیات کے سیاق و سباق میں مناسبت پائی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ کفار و مشرکین نزول قرآن پر تعجب کا اظہار کرتے ہوئے نبی ﷺ کو ٹھکرا دیتے تھے۔ اس پر فرمایا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے یہ کیا بعید ہے کہ وہ کسی بشر کو رسول بنائے اور پھر اسے وحی و کتاب سے نوازے۔ کیا جو خدا پوری کائنات کا خالق و مالک ہے، صاحب عرش عظیم ہے، پورے نظام کائنات کو چلانے والا ہے، وہ یہ سب کچھ کیوں نہیں کر سکتا۔ جس ذات کے ہاتھ میں تدبیر کائنات ہے، یہ قرآن اس کا پیغام ہے جو اس کے نبی اے کے ذریعے تک پہنچا ہے۔ گویا اس آیت میں ایک حکمت یہ ہے کہ مشرکین جو کسی بشر کو رسول اور صاحب وحی ماننے کے لیے تیار نہ تھے، ان کو دلائل سے سمجھایا گیا کہ جب تم اللہ تعالیٰ کو قادر مطلق، مدبر اور متصرف مانتے ہو تو پھر یہ جاہلانہ دعوی کیوں کرتے ہو کہ وہ اپنے بندے بشر کو نبوت و رسالت کے منصب پر سرفراز نہیں کر سکتا۔ ان کو دلائل پر غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے تاکہ وہ خود فیصلہ کر سکیں۔ دراصل انسانی فطرت میں توحید پائی جاتی ہے، اسی وجہ سے مشرکین کو ایسے دلائل پر تدبر و تفکر کرنے کی دعوت دی گئی ہے، جن کے وہ خود معترف تھے۔ امام رازی نے یہ حکمت ان الفاظ میں اجاگر کی ہے۔ وہ رقم طراز ہیں۔ "**افلا تذکرون دالا بذلك على وجوب التفكر في تلك الدلائل القاهرة الباهرة ، وذلك يدل على ان التفكر في مخلوقات الله تعالى والاستدلال بها على جلالته وعزته وعظمته، أعلى المراتب وأكمل الدرجات**"[24] (اس میں **افلا تذکرون** (کیا تم سمجھتے نہیں؟) کے الفاظ سے یہ دلیل ملتی ہے کہ مذکورہ واضح اور مبین دلائل پر غور و تشکر واجب ہے۔ مخلوقات پر یہی غور و فکر اور اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ کی قدرت و عظمت پر استدلال کرنا نہایت ہی اعلیٰ درجہ اور مرتبہ رکھتا ہے) گویا ہر ذی عقل انسان ان دلائل پر غور و تشخص کر کے حقیقت و سچائی کا ادراک بآسانی کر سکتا ہے کہ اللہ ہی الٰہ اور رب ہونے کا مستحق ہے۔ وہی عبادت کے لائق ہے اور اس کے ساتھ دوسروں کو معبود کا درجہ دینا شرک ہے۔ علاوہ ازیں ان آیات میں توحید کاملہ اور قدرت تامہ کا بھرپور انداز سے اثبات کیا گیا ہے۔ تیسری حکمت ان آیات میں یہ بھی پائی جاتی

ہے کہ ان میں ان لوگوں کے باطل عقائد کا رد کیا گیا جو نظام کائنات میں اللہ کے سوا دوسری ہستیوں کو بھی دخیل مانتے تھے۔ ان پر واضح کر دیا گیا کہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو تصرف حاصل ہے۔ تدبیر امور اس کی دسترس میں ہے۔ ان آیات میں یہ مصلحت بھی پوشیدہ ہے کہ کائنات کا نظام بذات خود اس امر کی شہادت دے رہا ہے کہ آخرت کا وقوع یقینی ہے۔ تقدیر امور اور تصرف فی الکائنات کا یہ مضمون اس جگہ اخباری اسلوب میں ایک حقیقت کا اظہار ہے۔ قرآن نے مدبر کائنات کے حوالے سے جو اسلوب تنویع اختیار کیا ہے، اس کا سارا استدلال اس نکتے پر مرکوز ہے کہ جس ہستی کو مشرکین مدبر کائنات مانتے ہیں تو صرف اسی کو اپنا معبود حقیقی بھی تسلیم کر لیں۔ اس کی عبادت کریں یہ مخاطب کے مسلمات کی بنیاد پر دلیل دی گئی ہے جس کے آگے مشرکین لاجواب ہو گئے تھے۔

۵۔ حیات و ممات کا خالق

یہ توحید ربوبیت کے لوازم میں سے ہے کہ زندگی اور موت کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ وہی سب کا خالق ہے اس نے زندگی اور موت کو پیدا فرمایا ہے۔ کوئی دوسرا ایسا نہیں جسے زندگی اور موت کا معیار حاصل ہو۔ اگر اس اختیار کو کسی اور کی جانب منسوب کیا جائے تو ایسا کرنا اسلام میں شرک کہلاتا ہے جو سب سے بڑا گناہ ہے اور عقیدہ توحید کے منافی ہے۔ قرآن میں اس مضمون کو کہ زندگی اور موت کا اختیار صرف اللہ کے پاس ہے، کئی مقامات پر واضح کر دیا گیا ہے۔ سورۃ الحجر میں ہے۔ "**إِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَنَحْنُ الْوَارِثُونَ**"[25] (بے شک ہم ہی زندہ کرتے اور مارتے ہیں اور ہمیں وارث ہیں۔) اس آیت کا سیاق کلام یہ ہے کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ کے چند مظاہر کا ذکر کیا ہے۔ آسمان پر ستاروں کی گردش، زمین کا پھیلاؤ اور وسعت، پہاڑوں کا جماؤ، بارش برسانا اور اس کے ذریعے نباتات و روئیدگی اگانا وغیرہ اور اس آیت میں زندگی اور موت کے اختیار کا اس کے پاس ہونا بیان کیا ہے۔ اس میں حکمت کا پہلو یہ ہے کہ جب یہ سارے افعال و اختیارات اللہ تعالیٰ رکھتا ہے تو پھر اسے چھوڑ کر بے اختیار اور بے جان اصنام کی پرستش کیوں کی جائے۔ ضمنی طور پر یہ بھی فرما دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں سے متمتع ہونے والا انسان یہ ہرگز نہ بھولے کہ آخرت کا دن آنے والا ہے، جس میں اس سے نعمتوں سمیت تمام اعمال کا حساب ہوگا۔ فتح القدیر میں اس نکتے کو نمایاں کرتے ہوئے لکھا گیا ہے۔ "**وانا لنحن نحيي ونميت أی نوجد الحياة في المخلوقات ونسلبها عنها متى شئنا، والغرض من ذلك الاستدلال بهذه الامور على مال قدرته عز وجل، وانه القادر على البعث والنشور والجزاء لعباده على حسب ما يستحقونه وتقتضيه مشيئة.**"[26] (**إِنَّا لَنَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ** کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم ہی مخلوقات کو زندگی عطا کرتے ہیں اور جب چاہتے ہیں ان سے زندگی سلب کر لیتے ہیں۔ اس اسلوب سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کے کمال پر استدلال کیا گیا ہے اور یہ امر واضح کیا گیا ہے کہ وہی اس پر بھی قادر ہے کہ وہ مردوں کو دوبارہ زندہ کر دے اور اپنی مشیت کے مطابق اپنے بندوں کو ان کے اعمال کی جزا و سزا دے۔) گویا آیت میں توحید کے ساتھ ساتھ آخرت کا بھی استدلال کیا گیا ہے۔ پھر اسی اختیار کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ ق میں **اسلوب تاکید** کے ساتھ واضح کر دیا ہے۔ "**إِنَّا نَحْنُ نُحْيِي وَنُمِيتُ وَإِلَيْنَا الْمَصِيرُ**" (بے شک ہم ہی زندہ کرتے اور مارتے ہیں اور ہماری طرف ہی لوٹنا ہے۔) اس آیت کا سیاقِ کلام یہ ہے کہ اس سے پہلے آخرت کے وقوع کا ذکر ہے۔ چونکہ مشرکین عرب آخرت کو مستبعد اور ناممکن خیال کرتے تھے اور یہ نہیں مانتے تھے کہ مردے بھی دوبارہ زندہ ہو سکتے ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان کو اس حقیقت سے آگاہ فرمایا کہ دیکھو کسی کو زندہ کرنا یا وفات دینا سب اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے۔ اس نے

جب ایک دفعہ پہلے دنیا تخلیق کر دی تو اس کے لیے کیا مشکل ہے کہ وہ دوبارہ آخرت میں مردوں کو زندہ کر کے ان سے اعمال کا حساب لے۔ جب خدا قادر مطلق ہے تو وہ جو چاہے کر سکتا ہے کوئی اس کا ہاتھ پکڑنے والا نہیں۔ اس آیت میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ جس ہستی کے اختیار میں زندگی اور موت ہے وہ جب چاہے انسان کو دوبارہ پیدا کر سکتا ہے، اس لیے توحید کو مان کر آخرت کی زندگی سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ حیات و ممات کا کلی اختیار اللہ عزوجل کے پاس ہے، اس حقیقت کو سورۃ آل عمران میں یوں بیان کیا گیا ہے۔"**وَ اللّٰهُ يُحْيِي وَيُمِيتُ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ**"[27](اور اللہ ہی زندگی عطا کرتا اور مارتا ہے اور اللہ تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے۔)اس آیت کا سیاق وسباق یہ ہے کہ اس میں غزوہ احد کا ذکر ہے۔ منافقین کی جماعت موت کے ڈر سے اس میں شریک نہیں ہوئی تھی۔ پھر جب مسلمانوں کو اس جنگ میں جانی نقصان اٹھانا پڑا تو منافقوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ ان کی طرح مسلمان بھی اگر مدینے سے باہر میدان جنگ میں نہ جاتے تو ان میں سے کچھ لوگ شہید نہ ہوتے اور وہ زندہ رہتے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زندگی اور موت کا اختیار میرے پاس ہے۔ اس کا تعلق کسی خاص جگہ یا وقت سے نہیں ہے۔ انسان کی موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ وہ جہاں بھی ہو اور جس حالت میں بھی ہو موت اپنے وقت پر اسے آئے گی، جس سے کوئی مفر نہیں ہے۔ اس آیت کو **تنبیہ کے اسلوب** میں بیان کیا گیا ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ اس میں جہاد کی ترغیب ہے کہ کسی مسلمان کو موت کے ڈرے سے جہاد سے نہیں بھاگنا چاہیے۔ موت مضبوط قلعوں کے اندر بھی آسکتی ہے اور گھروں میں بھی۔ جہاد موت کا سبب نہیں ہے اور نہ موت کا جہاد سے کوئی تعلق ہے۔ جب تک موت کا مقررہ وقت نہیں آتا انسان خواہ کتنے ہی خطرات میں گھرا ہوا ہو وہ مر نہیں سکتا۔ یہی حکمت تفسیر طبری میں ان الفاظ سے موجود ہے۔"**وهذا من الله عزوجل ترغيب لعباده المؤمنين على جهاد عدوه والصبر على قتالهم، واخراج هيبتهم من صدورهم، وان قل عددهم وكثر عدد أعدا لهم واعداء الله. واعلام منه لهم أن الاماته والاحياء بيده وأنه لن يموت احد ولا يقتل الا بعد فناء أجله الذي كتب له. ونهى منه لهم، اذ كان كذلك أن يجزعو الموت من مات منهم أو قتل من قتل منهم في حرب المشركين**"[28](اس میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے مومن بندوں کو دشمن کے خلاف جہاد اور صبر کی ترغیب پائی جاتی ہے تا کہ ان کے دلوں سے دشمن کا خوف جاتا رہے اگرچہ وہ خود کم تعداد میں ہوں اور ان کے اور اللہ کے دشمن کثیر تعداد میں ہوں۔ اس کے ساتھ ہی یہ حقیقت بھی بتائی گئی کہ زندگی اور موت اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ کوئی شخص نہ تو طبعی موت مر سکتا ہے اور نہ جنگ میں شہید ہو سکتا ہے، جب تک اس کی لکھی ہوئی عمر پوری نہ ہو جائے۔ اس کے علاوہ اس مقام پر کسی کی وفات یا مشرکین کے مقابلے میں شہادت ہو جانے پر واویلا کرنے کی بھی ممانعت فرمادی گئی۔) دوسری حکمت اس میں یہ پائی جاتی ہے کہ کفار و مشرکین کے باطل عقائد کی نشاندہی کرتے ہوئے مومنین کو متنبہ کیا گیا ہے کہ وہ ان جیسے باطل خیالات سے گریز کریں۔ جیسا کہ تفسیر ابن کثیر میں ہے۔"**ينهى تعالى عباده المؤمنين عن مشابهة الكفار في اعتقادهم الفاسد**"[29](اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو کافروں جیسے فاسد اعتقاد رکھنے کی ممانعت فرمارہا ہے۔)اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ انسان اگر کفار و منافقین کی طرح فاسد اعتقاد رکھے گا تو اس کے اندر شجاعت کی بجائے بزدلی کی صفت پیدا ہو جاتی ہے جو ایمان والوں کے شایانِ شان نہیں۔ ایسے خیالات انسان کے لیے اذیت اور تکلیف کا باعث بنتے ہیں۔ کفار و منافقین کی گمراہی کی نشاندہی کے علاوہ اس آیت میں ان لوگوں کے لیے **ترہیب** بھی ہے کہ بالآخر انہیں ایک دن اللہ کے حضور پیش ہوتا ہے۔

یہی مضمون کہ زندگی و موت کا مالک رب العزت ہے، اس کو **اسلوب اخباری** میں بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے۔"**هُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ فَإِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُن فَيَكُونُ**"[30](وہی (اللہ) ہے جو زندہ کرتا اور مارتا ہے۔ وہ جب کسی کام کا فیصلہ کر لیتا ہے تو بس اتنا کہتا ہے ہو جا اور وہ ہو جاتا ہے۔) اس آیت کا سیاق وسباق یہ ہے کہ اس سے ماقبل انسانی تخلیق کے مختلف مراحل کا تذکرہ ہے۔ پھر اس مضمون کو زندگی اور موت کے ساتھ جوڑ دیا گیا ہے۔ ہر شخص کی طبعی اور ہنگامی موت کو بھی ساتھ ہی بیان کیا گیا۔ پھر فرمایا کہ زندگی کا یہ تسلسل موت سے ٹوٹ نہیں جاتا بلکہ مستقبل میں بھی جاری رہتا ہے۔ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونا برحق ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات زندگی اور موت کی خالق ہے وہ جب چاہے اس نظام کائنات کو درہم برہم کر کے ایک نیا جہان نئے نظام کے ساتھ پیدا کرنے پر قادر ہے۔ وہ صرف کلمہ کن کہہ کر جو چاہے کر سکتا ہے۔ سورۃ المومنون میں بھی اللہ تعالیٰ کی اس صفت کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد ہے۔"**وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ وَلَهُ اخْتِلَافُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ أَفَلَا تَعْقِلُونَ**"[31](اور وہی (اللہ) ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ اور اس کے اختیار میں ہے رات اور دن کا بدلنا۔ تو کیا تم سمجھتے نہیں۔) اس آیت کا سیاق کلام یہ ہے کہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے مختلف مظاہر کا ذکر ہے۔ پھر انسان پر ہونے والی نعمتوں کو بیان کر کے اسے شکر کرنے کی **ترغیب** دی گئی ہے۔ پھر فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب انسانوں کو زندگی دی ہے۔ وہی ان کو موت دے گا اور پھر لوگ حساب کتاب کے لیے اس کے پاس جمع ہوں گے۔ جب اللہ تعالیٰ ہی کے پاس زندگی اور موت کا اختیار ہے تو آخرت ناممکن کیوں ٹھہری؟ جو خدا پہلی بار پیدا کر سکتا ہے وہی دوسری بار بھی پیدا کرے گا۔ اس آیت **کو تنبیہ اور انذار** کے اسلوب میں بیان کیا گیا اور اس میں حکمت کا یہ پہلا مضمر ہے کہ جس طرح دنیا میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے انسان متمتع ہو رہے ہیں اسی طرح آخرت میں بھی اللہ تعالیٰ اپنے صالح بندوں کو بے پایاں نعمتوں سے بہرہ مند کرے گا۔ اس کے ہاں کسی چیز کی کوئی کمی نہیں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دنیا میں منکرین کو ناشکری اور کفران نعمت کی حقیقت ادھر معلوم ہو جائے گی۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ دلائل قدرت سے توحید کاملہ اور قدرت تامہ کا اثبات کیا گیا ہے۔ انسان اس حقیقت کا ادراک کر لیتا ہے کہ اللہ ہی وہ رب ہے جس کے مرہون منت اس کا وجود ہے۔ مصنوع سے صانع کا تصور مخاطبین کو دلایا گیا ہے۔ تفسیر التحریر والتنویر میں اس حکمت کو یوں بیان کیا گیا ہے۔ " **هو من اسلوب وهو الذى انشالكم السمع (المومنون : ٧٨) واعقب ذكر الحشر بذكر الاحياء لأن البعث احياء ادماجا للاستدلال على امكان البعث في الاستدلال على عموم التصرف في العالم. واما ذكر الامانة فلمناسبة التضاد، ولان فيها دلالة على عظيم القدرة والقهر. ولما كان من الاحياء خلق الايقاظ ومن الامانة خلق النوم كما قال تعالى: الله يتوفى الانفس حين موتها .**"[32](یہ وہی اسلوب ہے جو آیت **وَهُوَ الَّذِي أَنشَأَ لَكُمُ السَّمْعَ** (المومنون: ۷۸) میں اختیار کیا گیا ہے۔ پھر حشر کا ذکر کرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے کی بات بتائی گئی کیونکہ دوبارہ زندہ کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی متصرف فی العالم ہے۔ لیکن ان کے ساتھ موت کا ذکر تقابل کے انداز میں آ گیا ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی عظیم قدرت اور قہر و غلبہ کی طرف اشارہ ہے۔ کیونکہ زندہ کرنہی جگانا ہے اور موت دینای مفید ہے جیسا کہ فرمایا: **الله يتوفى الانفس حين موتها** (اللہ تعالیٰ موت کے وقت جانیں قبض کر لیتا ہے۔) قرآن میں زندگی اور موت کا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہونا تنویع کے اسلوب میں کئی مرتبہ آیا ہے۔ اس میں ایک مصلحت تو یہ ہے کہ جب منکرین آخرت کو دین کی دعوت دی جاتی اور ان کے برے اعمال کے انجام سے ڈرایا جاتا تو وہ جواباً کہتے کہ جب دوبارہ زندگی ہی ممکن نہیں تو جزائے

اعمال کیسی۔ اس لیے اس مضمون کو بار بار لایا گیا ہے۔ دوسری حکمت اس میں یہ بھی کار فرما تھی کہ اس سے اہل ایمان کے دلوں میں عقیدہ آخرت کو راسخ کرنے کے لیے بھی اسے تاکید کے اسلوب میں اکثر مواقع پر بیان کیا گیا ہے۔

خلاصۂ بحث

الغرض اسلامی عقیدے کا ایک اہم جزو توحیدِ ربوبیت ہے۔ قرآن مجید میں توحید ربوبیت کو متعدد اسالیب اور طریقوں سے ذکر کیا گیا ہے تاکہ انسانیت کو شرک سے بچایا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے مختلف پہلو جیسے رزاقیت، مدبریت، خالقیت، حیات و ممات کا اختیار وغیرہ کو بیان کرنے کے لیے گوناگوں اسالیب اختیار کیے گئے ہیں مثلاً اخباری، تاکیدی، ترغیب و ترہیب، تصریف، تاکیدی، تقدیم و تاخیر اور تقابل وغیرہ کا اسلوب۔ یہ تمام اسالیب قرآن مجید کے اعجازِ بلاغت کا جلوہ ہیں کہ ایک ہی مضمون کو بار بار بلیغ اور موثر انداز سے بیان کیا جاتا ہے تاکہ انسانیت توحید کو اختیار کرتے ہوئے صحیح عقیدے پر قائم رہ سکیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی ربوبیت کے شواہد متعدد مرتبہ بیان کیے ہیں اور اس کا بنیادی مقصد یہی ہے کہ لوگوں کو یقین ہو جائے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہی ذات عبادت کے لائق ہے۔ گویا توحید سے متعلق قرآنی تعلیمات نہ صرف لوگوں کی رہنمائی کا باعث بنتی ہیں بلکہ قرآن کریم کا بلیغ اسلوب بیان بھی اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ قرآن کے الفاظ میں بلاغت، فصاحت اور نظم و ترتیب کی کمال درجہ کی خوبصورتی نظر آتی ہے جو انسانی الفاظ کی حد سے بہت بلند ہے۔ گویا قرآن مجید اپنی زبان و بیان، اسالیبِ بیان، فصاحت و بلاغت اور اثر انگیزی کے اعتبار سے بے مثل اور یکتا ہے جس کی نظیر پیش کرنے سے مخلوق عاجز ہے۔

References

[1] ʻAbū al-Kalam Ghulām Mohy al-Dīn Ahmed, *Tarjumān al-Quran* (Lahore: Islami Academy), 1:35-36.

[2] Abū ʻAbdullāh ʿAbd al-Raḥmān Ibn Nāṣir al-Sa'di*, Al Qaol al-Sadeed Sharah Kitab Kitab at-Tawheed* (Majmooa Al-tahaif annafis al Dawliya), 18.

[3] Al-Ṣāffāt 37:5.

[4] Muhammad Ibn ʻAlī Shawkānī, *Fath al-Qadir* (Beirut: Dar Ibn Kathir, 1414H), 4:443

[5] Sād 18:234.

[6] Abū al-Suʻūd, Muhammad Ibn Muhammad, *Tafsīr Abī al-Suʻūd aw Irshād al-ʻaql al-salīm ilá mazāyā al-Kitāb al-Karīm* (Beirut: Dār Alturas), 7:234.

[7] Al-Dukhān, 44:7

[8] Al-Shu'ara, 26: 24

[9] Al-Anʻām, 6:102

[10] Al-Ghafir, 40: 62

[11] Abū ʻAbdullāh Muhammad Ibn ʻAbdullāh Khateeb Askafi, *Dara Altanzeel wa Gharat al-Taweel,* (Mecca: Jāmia Umm al-Qura,1420H), 2:535

[12] Al-Ra'd, 13:16

[13] Az-Zumar, 39:62

[14] Al-Jumu'ah, 62:11

[15] Muhammad Ibn Jarīr Ṭabarī, *Jāmiʿ al-bayān ʿan taʾwīl āy al-Qurʾān* (Beirut: Dār al-Kutub al-'Ilmiyah, 1997), 23:389.

[16] Al-Ṣaba' 34:39.

[17] ʻAbd al-Raḥmān Naṣīr as-Sa'dī, *Tafseer as-Sa'dī* (International Islamic Publishing

House), 681.
[18] Wahbah Ibn Musṭafā Zuḥaylī, *Tafsīr al-munīr fī al-ʻaqīdah wa-al-sharīʻah wa-al-manhaj* (Damascus: Dār Al- Fikr, 1418H), 22:197.
[19] Al-Ḥajj 22:58.
[20] Al-Dhariyat 51:58.
[21] Yūnus 10:3.
[22] Ar-Ra'd 13:2.
[23] Al-Sajdah 32:5.
[24] Fakhr al-Dīn al-Rāzī, *Mafātīḥ al-ghayb*, (Beirut: Dār Iḥyā' al-Turāth al-'Arabī, 1420H), 17:192.
[25] Al-Hijr 15:23.
[26] Shawkānī, *Fath al-Qadir*, 3:153.
[27] Al-'Imrān, 3:156.
[28] Ṭabarī, *Jāmiʿ al-bayān ʿan taʾwīl āy al-Qurʾān*, 7:336.
[29] Ismā'īl Ibn Umer Ibn Kathīr, *Tafsīr al-Qurʾān al-ʿAẓīm* (Dār al-Salām Publishers, 2012), 2:147.
[30] Al-Ghāfir, 40:68.
[31] Al-Mu'minūn 23:80.
[32]Muḥammad al-Ṭāhir Ibn 'Āshūr, *Al-Taḥrīr wa-al-tanwīr,* (Beirut: Mu'assasat al-Tārīkh, 1984), 18:105.